غزل

غزل عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں عورتوں سے باتیں کرنا یا عورتوں کی باتیں کرنا کیونکہ پرانے دور میں عرب شاعر جب قصیدے لکھتے تھے تو شروعاتی اشعار میں حسن و عشق کی تعریف کرتے تھے۔ اِس تعریف کرنے کو تغزل کہتے تھے۔ غزل لفظ بھی اُسی سے نکلا ہے۔ شروع شروع میں غزل میں صرف حسن و عشق کی باتیں کی جاتی تھی۔ لیکن جیسے جیسے وقت بدلتا گیا تو غزل کے موضوعات میں بھی تبدیلی آتی گی اور اب غزل میں تقریباً ہر طرح کے موضوع لکھے جاسکتے ہیں۔ غزل کے پہلے شعر کو مطلع کہتے ہیں۔ مطلع اُس شعر کو کہتے ہیں جس میں دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ ردیف اُس لفظ کو یا الفاظ کے مجموعے کو کہتے ہیں جو مطلع میں دونوں مصرعوں کے آخر میں جو باقی اشعر میں ہر دوسرے مصرعے کے آخر میں دہرایا یا دہرائے جاتے ہیں۔ اور قافیہ اُس لفظ یا الفاظ کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ جو ہم آواز ہوتے ہیں۔ یعنی جو لفظ سننے میں ایک جیسے لگتے ہیں۔ غزل کے آخری شعر کو مقطع کہتے ہیں۔ مقطع اُس شعر کو کہا جاتا ہے۔ جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔ اور تخلص اُس نام کو یا اُس لفظ کو کہتے ہیں۔ جو شاعر شاعری میں اپنے اصل نام کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر مرزا اسد اللہ خان نام ہے اور غالب تخلص ہے۔ غزل کے تمام اشعار ایک ہی وزن اور ایک ہی بحر میں ہوتے ہیں۔ اور غزل میں شاعر شعر کے دونوں مصرعوں میں اپنی پوری بات کہہ دیتا ہے۔

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے

آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار

یا الہی یہ ماجرا کیا ہے

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب

مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

غالب کی اس غزل میں پہلا شعر مطلع ہے جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہیں۔ اور اور غزل کا آخری شعر جس میں غالب نے اپنا تخلص استعمال کیا ہے مقطع ہے۔ اور "کیا ہے" جو بار بار دہرایا جا رہا ہے ردیف ہے۔ اور "ہوا، دوا، ماجرا، برا" قافیہ ہے۔

(میر تقی میر)

غزل:

- میر تقی میر

راہِ دورِ عشق میں روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

تشریح: - یہ شعر میر تقی میر کی غزل سے لیا گیا ہے۔ اس میں شاعر محبوب سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے کہ ابھی تو تو نے عشق کی راہ میں قدم ہی رکھا ہے ابھی تو تجھے چھوٹی چھوٹی باتیں بُری لگتی ہیں۔ اور تیرا دل دکھی ہو جاتا ہے اور تو رونا شروع کر دیتا ہے۔ یہ تو عشق کا شروعاتی شروعاتی دور ہے عشق کا راستہ بہت لمبا ہے۔ ابھی تو معمولی چھوٹی چھوٹی باتوں پہ رونے لگتا ہے عشق کی راہ میں آگے چل کر دیکھ کہ کتنی دشواریاں اور مصیبتیں ہوتی ہیں۔ جتنا جتنا عشق کی راہ میں آگے بڑھو گے اتنے ہی عشق کے راستے تنگ ہوتے جائیں گے۔

قافلے میں صبح کے اک شور ہے
یعنی غافل ہم چلے سوتا ہے کیا

تشریح: - یہ شعر میر کی غزل سے لیا گیا ہے۔ اس میں شاعر کہہ رہا ہے کہ صبح کا جو وقت ہوتا ہے وہ کام کاج کرنے کا اور چلنے پھرنے کا وقت ہوتا ہے اس وقت میں جو انسان اٹھ کر اپنے کام کو انجام دیتا ہے وہ شخص زندگی میں کامیابی حاصل کرتا ہے۔ اور جو سوتا رہتا ہے وہ زندگی میں کچھ حاصل نہیں کر سکتا اسی چیز کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میر ~~کہتے~~ کہہ رہے ہیں کہ یہ صبح کا وقت ہو چکا ہے اور قافلے اپنے اپنے کام کیلئے نکل چکے ہیں اور ایک شور و غل برپا ہے۔ اس قافلے کو دیکھ کر اے سونے والے شخص تو بھی اپنے کام کیلئے نکل جا کیونکہ یہ غفلت

کی نیند انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی ۔

سبز ہوتی ہی نہیں یہ سرزمیں

تخمِ خواہش دل میں تو بوتا ہے کیا

تخم = بیج

تشریح :- یہ شعر میر کی غزل سے لیا گیا ہے ۔ اس شعر میں شاعر کہہ رہا ہے کہ جتنی بھی خواہش یا امیدیں میں اپنے دل میں رکھتا ہوں ۔ وہ کبھی پوری ہی نہیں ہوتی جیسے ایک کسان ایک بنجر زمین میں کوئی دانا ڈالتا ہے لیکن وہ دانا کبھی اگتا ہی نہیں اور وہ زمین سرسبز کبھی نہیں ہوتی پھر اس زمین میں بیج بونے کا کیا فائدہ اسی طرح میں بھی اپنے دل میں خواہشوں کے بیج کیوں بوؤں جب کہ مجھے پتا ہے کہ میری خواہش پوری نہیں ہوگی ۔

یہ نشانِ عشق ہیں جاتے نہیں

داغ چھاتی کے عبث دھوتا ہے کیا ۔

تشریح :- یہ شعر میر کی غزل سے لیا گیا ہے ۔ اس شعر میں شاعر کہہ رہا ہے کہ جب عشق و محبت میں پروان چڑھنے کے بعد جب کچھ حاصل نہیں ہوتا تو انسان کا دل ٹوٹ جاتا ہے ۔ اس کے دل پہ ایک زخم لگ جاتا ہے ۔ اور عشق دیے ہوئے زخم پہ کوئی بھی دوا کام نہیں کرتی ہے ۔ عشق کا زخم ایسا ہوتا ہے جس کی کوئی مرہم نہیں ہوتی اسی لئے میر کہہ رہے ہیں کہ جتنا بھی میں عشق کے کھائے ہوئے زخم کا علاج کروالوں مجھے کوئی فائدہ نہیں ہونے والا یہ میری چھاتی پہ ایسا داغ ہے جو کبھی نہیں دھویا جاسکتا اس لئے اس داغ کو دھونا ایک فضول کام ہے کیونکہ عشق کے دیے ہوئے داغ کبھی دل سے نہیں مٹتے ۔

میر تقی میر :-

حالاتِ زندگی ۔

میر کا شمار اردو کے عظیم شعراء میں ہوتا ہے۔ ان کی عظمت کا اصل راز یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دل پر گزری ہوئی واردات سیدھی سادی اور بول چال کی زبان میں ادا کر دی۔ یہ واردات وہ تھی جو ہر دل پر گزر جاتی ہے۔ اس لئے میر کی شاعری کو جس نے بھی پڑھا یا سنا اسے یہ اپنے دل پر گزری ہوئی لگی۔ اسی لئے میر کیلئے یہ مشہور بات کہی گئی ہے کہ میر نے آپ بیتی کو جگ بیتی بنا دیا۔ میر کی زندگی دکھ اور درد میں گزری لئے اُنکی شاعری پُر کشش معلوم ہوتی ہے۔ میر کا اصل نام محمد تقی تھا۔ اور وہ 1923ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔ میر کے والد محمد علی صوفی تھے۔ اور معاملاتِ دنیا سے زیادہ جو سمجھتے نہیں تھے۔ بہت ہی پرہیزگار انسان تھے اسلئے علی متقی کہلائے۔ انہوں نے پہلی شادی خان آرزو کی تھی۔ اور دوسری شادی میر کی والدہ سے ہوئی۔ علی متقی میر کو اپنی راہ پر چلنا چاہتے تھے۔ میر نے ابھی پوری طرح ہوش بھی نہیں سنبھالا تھا کہ انکے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس وقت میر کی عمر گیارہ سال تھی۔ اس کے بعد میر کے منہ بولے چچا بھی اس دنیا سے گزر گئے۔ اور میر بالکل تنہا رہ گئے۔ سوتیلے بھائی نے بھی والد کے انتقال کے بعد آنکھیں پھیر لی۔ پھر میر روزی کی تلاش میں آگرہ سے دہلی آ گئے۔ کچھ دن پریشان حالی میں گزارے۔ پھر صمصام الدولہ نے ایک روپیہ وظیفہ مقرر کیا۔ مگر کچھ دنوں بعد انکا بھی انتقال ہو گیا اور وظیفہ بند ہو گیا۔ آخر کار میر دماغی حالات ٹھیک نہ رہی۔ دماغی حالات ٹھیک ہونے کے بعد ایک امیر شخص جس کا

نام جاوید خان تھا۔ وہ ان کے ملازم ہوئے اسی دوران احمد شاہ ابدالی نے دہلی کو تباہ کر دیا۔ اور میر دہلی سے لکھنؤ چلے گئے۔ اور لکھنؤ پہنچ کر کچھ عرصہ گزارنے کے بعد 1810ء میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ میر کی زندگی بہت ہی دکھ درد میں گزری اسی لئے انکے کلام میں بہت درد دیکھنے کو ملتا ہے۔ اور اسی چیز میں میر کی شاعری کو اتنا مقبول بنایا ہے۔ اور دوسری بات انکی شاعری میں یہ ہے کہ انکا کلام عام بول چال کی زبان میں ہے۔

مثلاً :-

ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا
دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

نازکی ان کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

غزل

(مومن)

مومن خان مومن

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

تشریح:- یہ شعر مومن خان مومن کی غزل سے لیا گیا ہے۔ اس شعر میں شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں کہ جب ہمارے عشق کی داستان شروع ہوئی تھی جب ہم ایک دوسرے پر مر مٹتے تھے۔ اور ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ تب ہم ایک دوسرے سے یہ وعدہ لیا تھا کہ ہم کبھی ایک دوسرے کو دھوکہ نہیں دیں گے لیکن اب کافی وقت گزر گیا ہے اور تمہاری طرف سے عشق کی شدت کم ہو گئی ہے اور اب شاید تمہیں کی ہوئے قرار یاد بھی نہ ہو وہ وعدے بھی بھول گئے ہو جو ہم ایک دوسرے کا ساتھ نبھانے کیلئے کئے تھے۔

وہ جو لطف مجھ پہ تھے بیشتر وہ کرم کہ تھا میرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

تشریح:- لطف ← مہربانی، عنایت
بیشتر ← زیادہ تر

یہ شعر مومن خان مومن کی غزل سے لیا گیا ہے۔ اس شعر میں شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں کہ جب میرا حال برا تھا اور میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ میں بدحالی کی زندگی گزار رہا تھا۔ میرے اس مشکل وقت میں جو جو تم نے مجھ پر مہربانیاں کی اور میرا خیال رکھا قدم قدم پر میرا ساتھ نبھایا وہ ہر ایک چھوٹی سی چھوٹی بات اور مہربانیاں تمہیں یاد ہو کہ نا ہو مگر مجھے تمہاری

ذرا ذرا سی بات ملاقات، اور منا یاد ہے۔

وہ نئے گلے وہ شکایتیں، وہ مزے مزے کی حکایتیں

وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔

حکایتیں = کہانی

گلے = شکوہ، شکایت

تشریح :- یہ شعر مومن خان مومن کی غزل سے لیا گیا ہے۔ اس شعر میں شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے کہ جب ہمارے عشق کا شروعاتی دور تھا اور ہم ایک دوسرے کے بغیر بالکل بھی نہیں رہ سکتے تھے اور لگ بھگ ہر دن ہماری ملاقاتیں ہوا کرتی تھی اور ہر چھوٹی چھوٹی بات پر کبھی ہم لڑتے تھے اور کبھی ہم ہنستے تھے۔ اور ہر دن کوئی نہ کوئی نیا گلا اور شکایتیں ایک دوسرے پہ کرتے رہتے تھے۔ اور ہر ملاقات پر ایک دوسرے کو اچھی اچھی کہانیاں سنایا کرتے تھے۔ اور میرے محبوب تیرے ساتھ بیٹھ کر وقت کیسے گزر جاتا تھا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔ اور تمہارا مزاج اتنا نازک تھا کہ تم ہر چھوٹی چھوٹی بات پر تم مجھ سے روٹھ جاتی تھی اور میں تمہیں مناتا تھا۔ ہمارے عشق کا یہ سلسلہ تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو مجھے سب یاد ہے۔

کبھی بیٹھے سب میں جو روبرو تو اشاروں ہی سے گفتگو

وہ بیان شوق کا برملا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

بیانِ شوق کا برملا :- دلچسپی کا اظہار

تشریح :- یہ شعر مومن خان مومن کی غزل سے لیا گیا ہے۔ اس شعر میں شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے کہ کہ جب ہم اپنے دوستوں یاروں کی محفل میں بیٹھے تھے تو ہماری کوشش یہ رہتی تھی کہ ہمارے

عشق کی داستان کی خبر کسی کو نہ لگ جائے۔ اس لئے ہم ایک دوسرے سے بات نہ کرکے اشاروں ہی اشاروں میں اپنے دل کی بات کہہ دیتے تھے۔ ہماری محبت میں اتنی شدت تھی کہ ہم ایک دوسرے کی دل کی بات اشاروں ہی اشاروں میں سمجھ لیتے تھے۔ اور اشاروں ہی اشاروں میں بات کرنے کی دلچسپی تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو مجھے سب یاد ہے۔

کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ تمہارے جی کو بری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

تشریح:- یہ شعر مومن خاں مومن کی غزل سے لیا گیا ہے اس شعر میں شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے کہ ہمارے عشق کے دور میں کبھی غصّے میں آ کر یا مذاق میں ہی میں کوئی بات کہہ دیتا تھا جو تمہیں پسند نہیں ہوتی اور تمہارے دل کو بری لگ جاتی تھی لیکن وہ بات بیان کرنے سے پہلے ہی دوسری ملاقات میں مجھے دیکھتے ہی اتنی خوش ہو جاتی تھی کہ تمہیں وہ میری دل دکھانے والی بات یاد ہی نہیں رہتی تھی۔ اور اس بات کو تم مجھ سے بیان کرنے سے پہلے ہی بھول جاتی تھی۔ یہ سب چیزیں تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو مجھے سب یاد ہے۔

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

چاہ - چاہت محبت

تشریح:- یہ شعر مومن خاں مومن کی غزل سے لیا گیا ہے۔ اس شعر میں شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے کہ ایک وقت ایسا تھا جب ہم ایک دوسرے سے بہت محبت کیا کرتے تھے اور ہمارے بیچ ایک چاہت تھی اور ہمارا ایک دوسرے سے بہت ملنا جلنا اور ایک دوسرے سے غرض رہتی تھی کیونکہ ہم ایک دوسرے

کو دیکھے بنا نہیں رہ سکتے تھے۔ اور ہم آپس میں اتنے آشنا یعنی ایک دوسرے کو حد سے زیادہ جانتے اور سمجھتے تھے۔ یہ سب تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو مجھے سب یاد ہے۔

۱۵

غزل

(داغ)

داغ دہلوی

دنیا میں آدمی کو مصیبت کہاں نہیں
وہ کون سی زمین ہے جہاں آسماں نہیں

تشریح:- یہ شعر داغ دہلوی سے لیا گیا ہے اس شعر میں شاعر کہہ رہا ہے کہ اس دنیا میں ہر انسان پر کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی مصیبت، دکھ اور درد ضرور آتا ہے اور دنیا میں ایسی کوئی جگہ نہیں ہے جہاں انسان مصیبتوں سے اپنے آپ کو بچا سکے جیسے زمین کا کوئی حصّہ ایسا نہیں ہے جس کے اوپر آسمان موجود نہ ہو۔ ویسے ہی ایسی کوئی جگہ نہیں ہے جہاں انسان پر مصیبتیں نہ آتی ہے۔ مصیبتوں کا سایہ ہر جگہ انسان پر کسی نہ کسی طرح سے ہوتا ہی ہے۔

کس طرح جان دینے کے اقرار سے پھروں
میری زبان ہے یہ تمہاری زباں نہیں

تشریح:- یہ شعر داغ دہلوی سے لیا گیا ہے اس شعر میں شاعر کہہ رہا ہے کہ اس شعر میں شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں کہ جب ہماری محبتوں کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ تب ہم نے ایک وعدہ کیا تھا۔ کہ ہم اگر ایک دوسرے سے بچھڑ گئے تو میں مر جاؤں گا اور جب کہ اب یہ وقت آگیا ہے کہ تمہاری بے وفائی کی وجہ سے ہم ایک دوسرے سے جدا ہونے والے ہیں تو یہ سمجھ لو اب میں موت کو گلے لگاؤں گا یعنی اپنی جان دے دوں گا۔ کیونکہ میں اپنے کیے ہوئے اقرار سے نہیں پھر سکتا اور تمہاری طرح بے وفائی کر کے اپنی زبان نہیں توڑ سکتا۔

اے موت تونے دیر لگائی ہے کس لیے

عاشق کا امتحان ہے تیرا امتحان نہیں

تشریح:- یہ شعر داغ دہلوی سے لیا گیا ہے۔ اس شعر میں شاعر کہہ رہا ہے کہ جب میرا مرنے کا وقت آگیا یعنی جب میں عشق میں دھوکہ کھانے کے بعد بالکل ٹوٹ چکا تھا اور اپنی زندگی سے بیزار تھا اور مرنے کی دعائیں مانگ رہا تھا کہ جلد سے جلد مجھ موت آجائے۔ لیکن زندگی نے مجھ عاشق کا ایسا امتحان لیا کہ مانگنے پر بھی مجھے موت نہیں مل پا رہی ہے تب میں نے موت سے گلہ کیا کہ تو کیوں دیر لگا رہی ہے مجھے مارنے میں یہ تیرا امتحان تھوڑی ہے بلکہ یہ تو میرا امتحان ہے کہ مجھے مرنے میں دیر لگ رہی ہے۔

تنہا بھی جب رہے تو وہ رہتے ہیں ہوشیار

خود اپنے پاسباں ہیں اگر پاسباں نہیں

تشریح:- پاسباں = پہرے داری، پہلی بار

یہ شعر داغ دہلوی کی غزل سے لیا گیا ہے اس میں شاعر اپنے محبوب کیلئے کہہ رہے ہیں کہ جب بھی میرا محبوب مجھ سے الگ ہوکر تنہا بھی رہتا ہے تو وہ بہت خوش اور ہوشیار رہتا ہے اس کے برعکس میں اپنے محبوب سے دُور ہوکر بہت پریشان اور سست ہوجاتا ہوں اور ہمیشہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ ہمیشہ میرے ساتھ رہے میری دیکھ بھال کرے لیکن اُس کو میری پاسباں کی ضرورت نہیں ہے وہ اپنی دیکھ بھال پہرے داری اور اپنا خیال خود رکھ سکتا ہے کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ ہوشیار اور عقلمند ہے۔

ایسا خط ان کو راہ میں ملتا ہے روز ایک
جس میں کسی کا نام کسی کا نشان نہیں

تشریح:- رقیب = دشمن

اس شعر میں داغ اپنے محبوب کیلئے کہہ رہے ہیں کہ میرا محبوب اتنا خوبصورت، اتنا دلفریب ہے کہ اس کو کوئی بھی دیکھے تو اپنا دل دے بیٹھے اسی لئے جس راستے سے وہ گزرتا ہے اس کی راہ میں رقیب ہزاروں خط ڈالتے ہیں مگر میرا محبوب کسی بھی خط کو اہمیت نہیں دیتا اور ایسے بھی بہت خطوط ہوتے ہیں جن پر کسی کا نام و نشان نہیں ہوتا۔

13

غالب) غزل - مرزا اسداللہ خان غالب

درد ، منت کشِ دوا نہ ہوا

میں نہ اچھا ہوا ، برا نہ ہوا

تشریح :- یہ شعر غالب کی غزل سے لیا گیا ہے اس شعر میں شاعر کہہ رہے ہیں کہ میرے دل میں محبوب کے بچھڑ جانے کا غم اور درد تھا لیکن اس درد کیلئے میں نے کوئی بھی دوا نہیں لی اور میرے لئے یہ بات اچھی رہی کہ میں نے دوا کا احسان نہیں لیا - کیونکہ میرا درد بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ دوا کا احسان لے -

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو

اک تماشا ہوا ، گلا نہ ہوا

تشریح :- یہ شعر غالب کی غزل سے لیا گیا ہے اس شعر میں شاعر کہہ رہے ہیں کہ اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اگر آپ کو مجھ سے کوئی گلا یا شکوہ تھا تو آپ مجھے تنہائی میں بھی بول سکتے تھے - اس کے برعکس آپ نے سب رقیبوں کو اکٹھا کر لیا اور ان کے سامنے ہی شکایتیں شروع کر دی لیکن ایسا کرنا تو ایک تماشا بنانا ہی ہوتا ہے نہ کہ آپس کے گلے شکوے دور کرنا -

کتنے شریں ہیں تیرے لب ، کہ رقیب

گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا

تشریح :- یہ شعر غالب کی غزل سے لیا گیا ہے اس شعر میں شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے کہ اے میرے محبوب تیرے بولنے کا اور بات کرنے کا انداز اتنا دلکش ہے کہ جب تو بولتا ہے کہ یوں لگتا ہے جیسے بہت ہی سُریلی اور دلکش آواز نکل رہی ہو اور تیری آواز سُن کے کانوں کو سکون ملتا ہے - اس لئے جب میرے

رقیب نے تم سے اظہارِ محبت کیا تو بدلے میں تم نے اُسے بہت گالیاں دی اور بُرا بھلا کہا لیکن تمہارے کوشش کا انداز بھی ایسا تھا کہ رقیب کو گالیاں سن کر بھی بُرا نہیں لگا۔

ہے خبر گرم اُن کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

تشریح :- یہ شعر غالب کی غزل سے لیا گیا ہے۔ اس شعر میں غالب اپنے محبوب کیلئے کہہ رہے ہیں کہ بہر کوئی ذکر کر رہا ہے کہ آج میرا محبوب آنے والا ہے اور ہر طرف یہ خبر پھیل چکی ہے لیکن میری بدقسمتی اور میری غربت کا یہ عالم ہے کہ میرے گھر میں بیٹھنے کے بھی جگہ نہیں یعنی مجھ غربت کا گھر اس قابل نہیں ہے کہ میرا محبوب یہاں تشریف لائے اور میری غربت کا یہ عالم دیکھئے کہ آج ہی اس نے آنا تھا اور آج ہی کے دن میرے پاس ایک بوریا تک نہیں کہ جس پر میں اپنے محبوب کو بیٹھا سکوں۔

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی؟
بندگی میں میرا بھلا نہ ہوا

تشریح :- یہ شعر غالب کی غزل سے لیا گیا ہے۔ اس شعر میں غالب شاعر کہہ رہا ہے کہ میں نے خدا کی بہت عبادت کی اور دعا میں یہ مانگتا تھا کہ میرا مقصد اور میری منزل مجھے مل جائے لیکن اتنی عبادت کرنے کے باوجود میری دعا قبول نہیں ہوئی اور اب میں یہ پوچھتا ہوں کہ جس خدا کی میں عبادت کرتا تھا کیا وہ حقیقی خدا نہیں تھا کیا وہ

نمرود تھا کہ جس نے خدائی کا (دعویٰ) کیا تھا لیکن وہ کبھی کسی کا بھلا نہیں کر پایا۔ کیونکہ وہ اصل میں خدا نہیں تھا اور مجھے لگ رہا ہے کہ میں بھی کچھ ایسی ہی عبادت کر رہا تھا۔ کہ میرا بھلا بھی نہیں ہوا۔

جان دی ، دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

تشریح:- یہ شعر غالب کی غزل سے لیا گیا ہے۔ اس شعر میں شاعر کہہ رہے ہیں کہ یہ جو میری زندگی ہے یہ زندگی خدا نے ہی مجھے دی ہے۔ تو کیا ہو جائے گا کہ اگر مجھے موت آجائے گی اور میں اس دنیا سے چلا جاؤں گا اس میں کوئی برائی نہیں ہے کہ جس نے مجھے زندگی دی تھی اس نے واپس بھی لے لی لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں ہی زندگی کا حق ادا نہیں کر سکا کیونکہ خدا نے مجھے عبادت کیلئے ہی پیدا کیا تھا لیکن میں نے عبادت نہیں کی اور زندگی کا حق ادا نہیں کر سکا۔

16

(نظم کی تعریف)

نظم

نظم عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہے موتی (پرونا) پرونا
یا ایک دھاگے میں چند موتی جوڑ کر ایک لڑی (بنانا) نظم میں کسی خاص
موضوع پر شاعر پورے اشعار بند کی صورت میں لکھتا ہے۔
نظم میں موضوعات ایک سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں لیکن پوری
نظم بنیادی موضوع کے ارد گرد ہی رہتی ہے۔ نظم کا ایک مرکزی خیال
ہوتا ہے جس کے گرد پوری نظم کے اشعار گھومتے رہتے ہیں۔ نظم
کی ایک قسم پابند نظم ہوتی ہے جس میں ردیف، قافیہ اور بحر کا
خاص خیال رکھا جاتا ہے نظم کی ایک اور قسم جیسے آزاد نظم (کہتے) ہیں
اس میں ردیف اور قافیہ کی پابندی نہیں کی جاتی ہے لیکن بحر اور (وزن)
کا خاص (خیال) رکھا جاتا ہے۔ نظم کی چند قسمیں مندرجہ ذیل ہیں

① مثلث :-

مثلث اسی نظم کو (کہتے ہیں) جس میں ہر بند تین تین
مصرعوں کا ہوتا ہے۔ مثمن میں ایک بند میں آٹھ مصرعے ہوتے ہیں

② مثمن :-

مثمن میں ایک بند میں 8 آٹھ مصرعے ہوتے ہیں۔

③ مخمس :-

پانچ مصرعوں والی نظم کو مخمس کہتے ہے۔

④ مربع :-

مربع اس نظم کو کہتے ہے جس میں چار مصرعے ہوتے ہیں

⑤ مسدس :-

مسدس میں ہر بند 6 مصرعوں کا ہوتا ہے

دیگر اصناف سخن کی طرح نظم کی ابتدا بھی دکن سے ہوئی تھی۔ دکن کے مشہور صوفی حضرت بندہ نواز گیسودراز کو اردو کا پہلا نظم گو شاعر کہا جاتا ہے۔

نظم کُل جگ

دنیا عجب بازار ہے کچھ جنس یاں (سامان) کی ساتھ لے
نیکی کا بدلہ نیک ہے بد سے بدی کی بات لے
میوہ (پھل) کھلا میوہ ملے پھل پھول دے پھل پات (پتے) لے
آرام دے آرام لے دکھ درد دے آفات (مصیبت) لے
کلجگ نہیں کر جگ ہے یہ (دنیا) یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اس ہات لے

تشریح:- بند 1:- یہ بند نظیر اکبرآبادی کی نظم کلجگ سے لیا گیا ہے اس بند میں شاعر کہہ رہے ہیں کہ یہ جو دنیا ہے یہ ایک عجب طرح کا بازار ہے جہاں سے بغیر محنت کے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا اس دنیا میں جو جیسا کرے گا اس کا انعام ویسا ہی ملے گا۔ جو نیکی کرے گا یا دوسروں کے ساتھ اچھائی کرے گا تو اس کے ساتھ بھی اچھائی ہو گا۔ اور جو دوسروں کیلئے برا سوچے گا تو اس کے ساتھ بھی اس کی زندگی میں کچھ نہ کچھ برا ضرور ہو گا۔ اگر کوئی کسی کو کچھ کھانے کو دے گا تو کوئی دوسرا بھی کھانے کو دے گا اس دنیا میں پھولوں کے بدلے پھول ہیں اور کانٹوں کے بدلے کانٹے، اگر کسی کو آرام دو گے تو خود کی زندگی تو سکون سے گزرے گی اور اگر کسی دوسرے کو دکھ اور درد دو گے

گے تو یہ سمجھ لو بیٹے اور پھر بھی کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور آئے گی ۔ یہ صرف پوری دنیا ہی نہیں بلکہ یہاں کچھ کرو گے تو کچھ پاؤ گے دن میں نیکی کرو گے اور تو رات میں انعام ضرور پاؤ گے ۔ اس دنیا کا حساب کتاب بالکل نقد سودے جیسا ہے ۔ جس میں ہم ایک ہاتھ پیسہ دے کر دوسرے ہاتھ سامان لیتے ہیں وہی مثال اس دنیا کی ہے ۔

کانٹا کسی کے مت لگا مثل گل پھولا ہے تو
وہ تیر ہے حق میں تیرے کس بات پر بھولا ہے تو
مت آگ میں ڈال اور کو پھر گھاس کا پولا ہے تو
سن رکھ یہ نکتہ بے خبر کس بات پر بھولا ہے تو
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اس ہات لے

تشریح: بند - 2 :- یہ بند نظیر اکبر آبادی کی نظم کل جگ سے لیا گیا ہے اس میں شاعر انسانوں سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں کہ اس دنیا میں کسی کو دکھ مت دو خدا نے آپ کو پھول کی طرح پیدا کیا ہے ۔ تو آپ کانٹا بن کر کسی کو درد نہیں دو اگر کسی کو آپ کانٹا لگاؤ تو وہ کانٹا تیر بن کر آپ کے حق میں آئے گا اور اگر کسی کی زندگی میں آگ لگاؤ گے تو آپ کی زندگی میں بھی آگ ضروری لگے گی ۔ کیونکہ آپ بھی سوکھے گھاس کی طرح ہو جس میں آسانی سے آگ لگ جاتی ہے ۔ اور اس بات سے آپ کو بے خبر نہیں ہونا چاہئے کہ یہ کل جگ نہیں بلکہ کرجگ ہے یہاں ایک ہاتھ لو گے تو دوسرے ہاتھ دینا پڑے گا ۔

جو اور کو پھل دیوے گا وہ بھی سدا پھل پاوے گا
گیہوں سے گیہوں جو سے جو چاول سے چاول پاوے گا
جو آج دیوے گا یہاں ویسا وہ کل واں پاوے گا
کل دیوے گا پاوے گا کل پاوے گا کل پاوے گا
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اس ہات لے

تشریح بند :- 3 :- یہ بند نظیر اکبر آبادی کی نظم کل جگ سے لیا گیا ہے۔ اس میں شاعر کہہ رہے ہیں کہ جو اس دنیا میں کسی کے ساتھ نیکی کرے گا تو مرنے کے بعد دوسرے جہاں میں اس کو اس نیکی کا پھل ضرور ملے گا۔ کیونکہ نیکی کا بدلہ نیکی ہوتی ہے جیسے جب ہم گیہوں بوتے ہیں تو گیہوں ہی پیدا ہوتا ہے ویسے ہی جو سے جو اور چاول سے چاول پیدا ہوتا ہے مطلب یہ کہ جیسا بوئیں گے ویسا ہی کاٹیں گے۔ اور جو آج کسی کو کچھ دے گا ویسا ہی قیامت کے دن پائے گا اگر سب کچھ دے دے گا تو اس کے بدلے میں بہت کچھ پائے گا۔ کیونکہ یہ کل جگ نہیں کرجگ ہے یہاں ایک ہاتھ دو گے تو دوسرے ہاتھ لو گے۔

جو چاہے لے چل اس گھڑی سب جنس یاں تیار ہے
آرام میں آرام ہے آزار میں آزار ہے
دنیا نہ جان اس میاں دریا کی یہ منجدھار ہے
اوروں کا بیڑا پار کر تیرا بھی بیڑا پار ہے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اس ہات لے

تشریح - بند :- یہ بند نظیر اکبر آبادی کی نظم کل جگ سے لیا گیا ہے
اس میں شاعر کہہ رہا ہے کہ اے انسان تو اس دنیا سے جو چاہے وہ سب
لے کر جا سکتا ہے سب کچھ تیار ہے یانی جو بھی اچھے کام تم نے
کیے ہیں اُس کا انعام لے کر تم اس دنیا سے جا سکتے ہو اگر تم نے بھی
کسی کو آرام دیا ہے تو بدلے میں تمہیں بھی آرام ملے گا اور اگر تم نے کسی
کو دکھ دیے ہیں تو آگے چل کر تمہیں بھی دکھ ملنے لگے کیونکہ یہ دنیا
دریا کی مار کی طرح اگر تم اس دریا سے کسی کی کشتی پار لگاؤ گے
تو تمہاری کشتی بھی ضرور پار لگے گی کیونکہ یہ کل جگ نہیں بلکہ کل
جگ ہے - یہاں ایک ہاتھ دو گے تو ایک ہاتھ لو گے -

تو اور کی تعریف کر تجھ کو ثنا خوانی ملے
کر مشکل آساں اور کی تجھ کو بھی آسانی ملے
تو اور کو مہمان کر تجھ کو بھی مہمانی ملے
روٹی کھلا روٹی ملے، پانی پلا پانی ملے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہات دے اُس ہات لے

تشریح بند :- یہ بند نظیر اکبر آبادی کی نظم کل جگ سے لیا گیا ہے -
اس میں شاعر کہہ رہا ہے کہ اے دنیا میں رہنے والے انسان اگر کوئی
تیرے ساتھ اچھائی کرتا ہے تو تم اس کی تعریف کرو اگر
تم کسی کے کام کی تعریف کرو گے تو کوئی دوسرا بھی آپ کے کام کی
تعریف کرے گا اور اگر کسی کی مشکل آسان کرو گے تو خدا تمہیں بھی
ہر مشکل سے نکال دے گا اور اگر تم کسی مہمان کو گھر بلا کر دکھانا

کھلاؤ گے تو تمہیں بھی روٹی ضرور دیں گے
تم جیسا کرو گے ویسا ہی پاؤ گے کسی بھوکے کو روٹی کھلاؤ گے تو خدا تمہیں بہت رزق دے گا پانی پلاؤ گے تو پانی ملے گا مطلب یہ کہ نیکی کے بدلے نیکی اور بدی کے بدلے بدی ملے گی کیونکہ یہ کل جگ نہیں بلکہ کر جگ ہے یہاں ایک ہاتھ دو گے تو اور ایک ہاتھ لو گے۔

کر جگ جو کچھ کرنا ہو اب یہ دم تو کوئی آن ہے
نقصان میں نقصان ہے احسان میں احسان ہے
تہمت میں یاں تہمت لگے طوفان میں طوفان ہے
رحمان کو رحمان ہے شیطان کو شیطان ہے۔
کل جگ نہیں کر جگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اس ہات لے

تشریح۔ بند:۔ یہ بند نظیر اکبر آبادی کی نظم کل جگ سے لیا گیا ہے اس شعر میں شاعر دنیا والوں سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں کہ جو تم نے پہلے کر دیا ہے اُس کو آپ بھول جاؤ اور اب نیکی کا راستہ چن لو۔ کیونکہ تم اگر کسی کا نقصان کرو گے تو تمہارا بھی نقصان ہوگا اور اگر کسی کی مدد کر کے اُس پہ احسان کرو گے تو تمہارے اوپر بھی کوئی احسان کرے گا اور اگر کسی پہ تہمت لگاؤ گے تو آپ کو بھی تہمت کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ جب طوفان آتا ہے تو سب پہ آتا ہے اور جو رحمان کے بندے ہوتے ہیں ان پہ خدا رحم کرتا ہے۔ اور شیطان کی رہ پر چلنے والے برباد ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ کل جگ نہیں بلکہ کر جگ ہے یہاں ایک ہاتھ دو گے تو دوسرے ہاتھ لو گے۔

یاں زہر دے تو زہر لے شکر میں شکر دیکھ لے
نیکوں کو نیکی کا مزا موذی کو ٹکر دیکھ لے
موتی دے موتی ملے پتھر میں پتھر دیکھ لے
گر تجھ کو یہ باور نہیں تو تو بھی کر کر دیکھ لے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اس ہات لے

تشریح ۔ بند :۔ یہ نظم نظیر اکبر آبادی کی نظم کل جگ سے لیا گیا ہے اس بند میں شاعر کہہ رہے ہیں کہ اگر تم کسی کو زہر دو گے تو تم بھی زہر کی کڑواہٹ سے نہیں بچ پاؤ گے اور اگر کسی کی زندگی میں شکر گھول دو گے تو آپ کی زندگی میں بھی مٹھاس آجائے گی جو یہاں نیک ہوتا ہے اس کو نیکی کرنے کا مزہ ملتا ہے اور بد لوگوں کو ہمیشہ ٹکرا کر ہی کھانی پڑتی ہے یہاں موتی کے بدلے موتی ہی ملتی ہے اور پتھر کے بدلے پتھر اگر آپ کو اس بات کا یقین نہیں تو آزما کر دیکھ لو یہاں نیکی کے بدلے نیکی ہے اور بدی کے بدلے بدی ہے کیونکہ یہ کل جگ نہیں بلکہ کرجگ ہے یہاں ایک ہاتھ دو گے تو دوسرے ہاتھ لو گے ۔

تشریح :۔ بند :۔ اس میں شاعر کہہ رہے ہیں کہ یہ دنیا غفلت کی جگہ نہیں ہے کہ یہاں ہر چیز کو لاپرواہی سے لیا جائے یہاں عقلمندی سے کام لینا چاہیے اگر اپنے دل کو خوش رکھو گے تو خود بھی خوش رہو گے اور اگر ہمیشہ دل کو غمگین رکھو گے عمر بھر زندگی میں گم ہی رہے گے اس لئے ہمیشہ خوش رہنا چاہیے نظیر اکبر آبادی اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں کہ اے نظیر تو بھی خاکساری سے رہ کیونکہ یہ دنیا وہ جگہ ہے جہاں زندگی بالکل سادگی سے گزر جائے تو بہتر ہے اور وہ یہ جگہ ہے جہاں خود کو پاک اور بے باک رکھنا چاہیے کیونکہ یہ کل جگ نہیں بلکہ کرجگ ہے یہاں اچھے دن کو دو گے تو رات لو گے اور اگر ایک ہاتھ سے دو گے تو دوسرے ہاتھ سے لو گے ۔

عدل فاروقی

مولانا شبلی نعمانی

نظم کا خلاصہ

یہ نظم مولانا شبلی نعمانی نے لکھی ہے جس کا خلاصہ یوں ہے کہ
ایک بار حضرت عمر فاروق رضی جو کہ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ تھے
انہوں نے ایک دن مسجد میں ممبر سے لوگوں سے مخاطب ہو کر
کہا کہ اے لوگوں اگر میں آپ لوگوں کو کچھ حکم دوں تو آپ لوگ مانو گے
تب ہی ایک آدمی محفل میں سے اٹھا اور حضرت عمر پر انگلی اٹھانے لگا
اور کہنے لگا کہ مجھے آپ کے عادل و انصاف میں شک ہے کیونکہ
جنگ کے بعد ہم نے جو مال غنیمت حاصل کیا تھا ان میں جو چادریں
تھیں وہ مسجد کے صحن میں سب میں برابر تقسیم ہوئی تھی اور ہر ایک کو
ایک ایک چادر دستور کے مطابق ملنی چاہیئے تھی لیکن مجھے شک
ہے کہ آپ نے جو لباس پہنا ہوا ہے وہ اسی چادر کا بنا ہوا ہے
جو کل تقسیم ہوئی تھی۔ لیکن آپ کا قد بڑا ہونے کی وجہ سے آپ
کا لباس ایک چادر سے نہیں بن سکتا تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ
نے ایک سے زیادہ چادریں لی تبھی آپ کا لباس بن سکا اور آپ نے
اپنے حصہ سے زیادہ لیا جو کہ عدل اور انصاف کے خلاف ہے
اس لئے میں آپ کو خلافت کے قابل نہیں سمجھتا وہ شخص حضرت
عمر کو حد سے زیادہ بول رہا تھا۔ اور کسی میں بھی یہ طاقت نہیں تھی
کہ اس کو روک سکے اور اس کی زبان بند کروا سکے۔ سب لوگ
عدل وہ انصاف اور برابری کے نشہ میں مست تھے اس لئے نہ
کوئی کسی کو روک رہا تھا اور نہ ٹوک رہا تھا۔ تب حضرت عمر نے

vivo X60 · ZEISS
26-Mar-2023, 12:36

اپنے بیٹے سے کہا کہ تم اصل حقیقت کو جانتے ہوں اور
میری جگہ مجھ پر لگے اس الزام کا جواب دے سکتے ہوں تاکہ
~~حساب~~ قیامت کے دن میرا رب مجھے اس جرم میں نہ پکڑے
پھر حضرت عمر کے بیٹے نے لوگوں کو بتایا کہ اس میں میرے
والد کا کوئی جرم اور کسور نہیں ہے جب میں نے یہ دیکھا کہ
والد صاحب کا لباس ایک چادر سے نہیں بن پا رہا تو میں نے
اپنے حصہ کی چادر بھی ان کو دے دی تاکہ ان کا لباس مکمل ہو سکے
یہی حقیقت ہے پھر نکتہ چین نے اٹھ کر کہا کہ اے حضرت عمر
ہم نے آپ کی سچائی کو مان لیا اب آپ ہمیں جو بھی حکم دو گے
وہ منظور ہو گا

نظم "چاند اور تارے"

علامہ اقبال

(خلاصہ)

- سحر: صبح
- فلک-آسمان
- مدام-برابر
- ستم کش:-
- محو فلک
- ہم نشین:-
- ساتھ بیٹھنے والا
- قدیم: پرانا
- شجر:- درخت
- حسن:- بہتر

یہ نظم علامہ اقبال کی نظم چاند اور تارے ہیں اس میں شاعر کہہ رہے ہیں کہ ستارے صبح کے وقت سے ڈرتے ہوئے چاند سے یہ کہنے لگے کہ آسمان پر نظارے ویسے ہی ہے جیسے پہلے ہوا کرتے تھے۔ یعنی چاند بھی اپنی چاندنی سے آسمان کو روشن کیے ہوئے ہیں اور ستارے بھی چمک چمک کر تھک چکے ہیں ستارے چاند سے یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارا تو کام ہی صبح اور شام برابر گردش میں رہنا اور چلنا ہے۔ ہماری طرح اس دنیا کی ہر شے بھی گردش میں ہے کسی کو کہیں بھی کوئی سکون نہیں دنیا میں ہر چیز ستم کی ماری ایک سفر میں ہے چاہے وہ چاند تارے ہوں پتھر ہو، انسان ہو یا پھر پیڑ پودے ستارے چاند سے یہ پوچھ رہے ہیں کہ یہ سفر کبھی کسی کا ختم ہوگا۔ کبھی کسی کو اپنی منزل نظر آئے گی کیا اور یہ چیز ممکن ہے کیا کہ ہر کوئی اپنی منزل حاصل کرلے پھر چاند نے ستاروں سے مخاطب ہوکر کہا میرے ہم نشینوں اور رات کے پھول چننے والوں یہ جو زندگی ہر شے کی ہے یہ ہمیشہ حرکت میں ہی رہتی ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ یہ ایک رسم پرانے دور سے چلی آرہی ہے۔ چاند ستاروں سے یہ کہہ رہا ہے یہ زمانہ ایک گھوڑے کی مثال ہے جو ہمیشہ دوڑتا رہتا ہے اگر چلنے پھرنے یا حرکت کرنے کی ضرورت نہ ہوتی ہر کوئی بیٹھا ہی رہتا اور دنیا کا نظام ختم ہو جاتا اس دنیا میں اگر کوئی رک جائے گا تو وہ دوسروں کی پیروں کے نیچے کچلا جائے گا۔ چلتے چلتے یہ دنیا اپنے عشق کی تلاش یعنی خدا کی تلاش میں ختم ہو جائے گی۔

vivo X60 · ZEISS
26-Mar-2023, 12:36

نظم - نصیحت اخلاق

اکبر الہ آبادی

نظم کا خلاصہ

نظم نصیحت اخلاق نظیر اکبر الہ آبادی کی نظم ہے۔ جس میں وہ ایک عقلمند بچے کی خوبیاں بیان کرتے ہیں کہ ایک عقلمند بیٹے کو ماں باپ کے لئے یا پھر سماج کے لئے کیا ہونا چاہئے اکبر الہ آبادی کہتے ہیں کہ ہر گھر میں لوگ بیٹے کو یا ماں باپ بیٹے کو اپنی آنکھوں کا نور یا دل کا چین یا آنکھوں کا تارا کہتے ہیں اسے اپنی زندگی کا لطف اور دل کا سرور مانتے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ اگر بیٹا گھر میں ہو تو اس کی وجہ سے گھر میں ہر وقت روشنی اور نور رہتا ہے جس گھر میں بیٹا ہوتا ہے۔ وہاں وہاں کبھی اندھیرا نہیں ہوتا مطلب یہ کہ وہ گھر ہمیشہ خوشیوں سے جگمگاتا رہتا ہے۔ بیٹے پہ باپ کو فخر ہوتا ہے اور ماں کیلئے بیٹا گھمنڈ اور غرور ہے۔ بیٹا جب گھر میں پیدا ہوتا ہے تو اس کو خوش قسمتی کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ خدا نے ہم پہ بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اکبر الہ آبادی کہتے ہیں کہ میرا بھی یہی خیال ہے کہ بیٹے کو ایسا ہی سمجھا جاتا ہے میں اس بات کو ضرور مانتا ہوں کہ بیٹا ماں باپ کیلئے غرور ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ بیٹا ہنرمند اور ہونہار ہونا چاہئے۔ اور نیکی کرنا والا ہونا چاہئے اور ہمیشہ برائیوں سے دور رہنے والا چاہئے۔ نیک بیٹا وہی ہے جو اپنے بڑے بزرگوں کی باتوں کی اور نصیحتوں کو غور سے سنے اور جب بھی بات کرے بہت ادب سے جناب اور حضور کہہ کر بات کرے اور اُس کا برتاؤ لوگوں کے ساتھ ہو کہ جب وہ اس کو ایک سچا انسان اور محبت کرنے والا سمجھیں

~~اس پر ہمیشہ ماں باپ~~

اس میں کسی قسم کا دھوکہ یا فریب نہیں ہو۔ اس پر ہمیشہ ماں باپ راضی ہو۔ اور ہمیشہ صبر کرنے والا ہو۔ عقلمند ہو غیرت مند ہو اور باادب ہو۔ ایسا بیٹا ہو کہ جو ہمیشہ اپنے خاندان کی عزت کا خیال رکھے اور نیک لوگوں سے دوستی رکھے اور برے لوگوں سے دور رہے دن رات اس کے ذہن میں اچھے کام کرنے کی دھن سوار رہے۔ اور اس کے دل میں علم سیکھنا اور ہنر سیکھنے کا شوق بہت زیادہ پایا جائے۔ اور اگر یہ ساری چیزیں ایک بیٹے میں نہ پائی جائے تو اس بیٹے کیلئے ماں باپ کو خوشی نہیں کرنی چاہیئے۔

22

غالب :

غالب کے مختصر حالات زندگی لکھئے ؟

ا) غالب کا پورا نام مرزا اسداللہ خان تھا اور اُن کا تخلص غالب تھا غالب 1797ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے غالب کا دور وہ دور تھا جب مغلیہ حکومت ختم ہونے والی تھی غالب اُس دور کے سب سے مشہور شاعر تھے اُن کی وجہ سے اردو شاعری میں ایک ~~انقلاب~~ انقلاب آ گیا تھا پروفیسر آل احمد سرور کے مطابق اردو شاعری دل والوں کی دنیا تھی اور غالب نے اسے ذہن دیا غالب نے غزل میں عشق اور عاشق کے علاوہ بہت سارے مضامین کو جوڑا

غالب کو اردو شاعری میں بہت بلند مرتبہ حاصل ہے غالب کو مغل بادشاہ کی طرف سے نجم الدولہ، دبیر الملک، نظام جنگ کے خطاب ملے غالب کے والد کا نام عبداللہ بیگ تھا وہ ملازمت کے سلسلہ میں ادھر اُدھر جاتے رہتے تھے اور آخر کار راجہ بختیار سنگھ کے ملازم ہوئے اور 1801ء میں ایک جنگ میں مارے گئے اس کے بعد غالب کی پرورش اُن کے چچا نے کی انگریزی سرکار کی طرف سے غالب کو پنشن بھی ملتی تھی اور مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو کلام کی اصلاح بھی غالب کرتے تھے تو اُن کو 50 روپیہ جیب کی حساب سے ملتے تھے۔

ا) شروعاتی دور میں غالب کی شاعری بہت مشکل تھی کیونکہ اُن کی شاعری میں فارسی زبان کے الفاظ بہت زیادہ ملتے تھے لیکن بعد میں کچھ لوگوں کی رائے سے فارسی الفاظ میں کمی کی غالب کی شاعری میں خیالات بہت بلند ہوتے ہیں اور تہہ داری غالب کی شاعری کی ایک اہم خصوصیت ہے غالب اردو کے بہت بڑے شاعر ہیں

اردو ان کی شاعری اس دور کی آواز ہے ان کے کلام کی مقبولیت کس دور میں کم نہیں ہوئی ان کے چند اشعار یوں ہیں کہ

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک
ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

تغافل :- غفلت

غالب نے اردو شاعری میں بہت بلند مقام حاصل کرنے کے بعد 1869ء میں اس دنیا فانی سے انتقال کیا اور دہلی میں ان کی قبر ہے

30

مومن خان مومن

حالات زندگی:-

مومن کا نام محمد مومن خان تھا اور مومن تخلص رکھتے تھے
اُن کا والد کا نام حکیم غلام نبی خان تھا- ان کا خاندانی کام طبابت کرنا
تھا- مومن 1800ء میں پیدا ہوئے اور انہوں نے علم طب
اپنے والد سے سکھی اس کے علاوہ مومن ریاضی، نجوم، موسیقی اور
شطرنج وغیرہ کو بھی اچھے سے جانتے تھے- مومن کا تعلق ایک امیر
اور خوش حال خاندان سے تھا- اس لئے انہوں نے کبھی اپنی شاعری
کو پیسہ کمانے کا ذریعہ نہیں بنایا اور نہ ہی کسی بادشاہ کے دربار
سے وابستہ رہے مومن شاہ نصیر سے شاعری سیکھتے تھے
غالب کے بعد اس دور کے سب سے بڑے شاعر مومن ہی تھے۔
اور انہوں نے اپنی شاعری کیلئے غزل کو چنا ان کی غزلیں
عشق و عاشقی پر ہی ملتی ہے کیونکہ غزل کے اصل مانی عورتوں
سے باتیں کرنا یا عورتوں کے بارے میں بات کرنا ہوتا ہے غزل
میں حسن و عشق کی باتیں کی جاتی ہے لیکن آہستہ آہستہ غزل کے موضوعات
میں تبدیلی آئی مگر مومن نے صرف حسن و عشق کی موضوع کو ہی اپنا
یا یہ مانا جاتا ہے کہ مومن کسی کے عشق میں مبتلا تھے وہ
کسی پردہ نشین عورت سے محبت کرتے تھے جو اپنا تخلص
حجاب لکھتی تھی مومن کے کلام میں اس کے اشارے ملتے ہیں
اسی لئے اُن کے شعروں میں جذبات کی شدت بھی نظر آتی ہے۔
مختصر یہ کہ مومن نے عاشقانہ مضامین ایسے دلکش انداز
میں پیش کیے کہ قدم قدم پر تازگی کا احساس ہوتا ہے- ایک
جگہ مومن اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ آپ محفل

میں سب کی طرف دیکھتے ہوں مگر مجھ سے نظریں چُرا لیتے ہو
اس سے تو لوگ یہ سمجھے گے کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے
اس لئے کبھی کبھی میری طرف بھی دیکھ لیا کرو تاکہ لوگوں کو کوئی
شک نہ ہو

غیروں پہ کُھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غمزہ و غماز دیکھنا

مومن نے عشق و عاشقی کی باتیں کُھل کر اپنی غزلوں
میں کی ہے مومن 1852ء میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے اُن
کے چند اشعار یوں ہیں کہ

جگر مراد آبادی

حالاتِ زندگی:-

جگر مراد آبادی 1890ء میں پیدا ہوئے اور 1960ء میں وفات ہوئی جگر مراد آبادی کا پورا نام علی سکندر تھا اور تخلص جگر رکھتے تھے۔ جگر اتر پردیش ایک مشہور جگہ جسے مراد آباد کہتے ہیں کہ رہنے والے تھے۔ جگر کی تعلیم باقاعدہ طور پر نہیں ہو سکی لیکن انہوں نے اُردو اور فارسی میں اپنی قوت کو آزمایا اُن کے والد نظر علی صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ اس لئے علی سکندر کے خون میں بچپن ہی سے شاعری گردش کرتی تھی کیونکہ ان کے والد بھی ایک شاعر تھے۔ جگر نے 14 برس سے ہی شاعری کرنا شروع کر دیا تھا۔ شروع شروع میں اپنے والد ہی سے شاعری سیکھتے تھے اس کے بعد داغ اور تسلیم سے بھی شاعری سیکھی۔

جگر کی تعلیم بہت زیادہ نہیں تھی لیکن پھر بھی اُن کو کتابیں پڑھنے کا بہت شوق تھا اُن کے کلام میں فلسفہ اور گہرائی کم ملتی ہے۔ مگر اُن کے کلام میں عشقِ مجازی خوب پایا جاتا ہے۔ اپنے محبوب کا سراپا حسن کی ادائیں اور دیگر عشق کے متعلق چیزیں خوب ملتی ہیں جگر ایک تو محبت کے نشے میں گم رہتے تھے دوسرا شراب کے نشے میں مست۔ یہ بے خودی اور مستی اُن کے اشعار میں بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ اصل زندگی میں بھی جب وہ مشاعرے میں جاتے تھے وہ تو اپنی مستی میں ہی شعر پڑھ کر واپس آجاتے تھے اُن کا شعر پڑھنے کا انداز بھی بہت الگ تھا ان کا انداز اتنا مشکل تھا کہ بہت سارے شاعروں نے اُن کے انداز کو اپنانے کی کوشش کی بعد میں

انہوں نے شراب نوشی چھوڑ دی اور تصوّف کی طرف مڑ گئے شاعری کی زبان کے معاملے میں بھی انہوں نے اپنے اُستاتذہ کی پیروی کی اور اپنے کلام میں مشکل فارسی الفاظ کبھی استعمال نہیں کئے اس لئے اُن کی شاعری بہت دلکش ہے

مثال کے طور

کوئی یہ کہہ دے گلشن گلشن
لاکھ بلائیں ایک نشیمن

قاتل رہبر قاتل رہزن
دل سا دوست نہ دل سا دشمن

پھول کھلے ہیں گلشن گلشن
لیکن اپنا اپنا دامن

عشق ہے پیارے کھیل نہیں ہے
عشق ہے کار شیشہ و آہن

جگر مراد آبادی نے 1960ء میں وفات ہوئی۔

علامہ اقبال :-

حالاتِ زندگی :-

اقبال کے بزرگ کشمیری برہمن تھے اور کشمیر اُن کا وطن
تھا اسلام قبول کرنے کے بعد اُن کا خاندان کشمیر سے سیالکوٹ
آگیا اور سیالکوٹ میں ہی 9 نومبر 1877ء میں محمد اقبال کا
جنم ہوا اُن کے والد کا نام شیخ نور محمد اور ماں کا نام ~~امام~~ امام
بی بی یہ دونوں زیادہ تعلیم یافتہ تو نہیں تھے لیکن اُنہوں نے
اپنے بیٹے کی تربیت پر بہت زور دیا گھر کا ماحول اسلامی تھا
اس لیے اقبال کو قرآن کا تلاوت کرنے کا بہت شوق تھا۔ چار
سال کی عمر میں اقبال کا داخلہ اسکاچ مشن اسکول میں کر دیا گیا۔
اقبال کے والد کے دوست جن کو شاہ صاحب کہا جاتا تھا وہ بھی
اس اسکول سے وابستہ ہو گئے اُن کی صحبت میں رہ کر اقبال کے
اندر شاعری کا شوق پیدا ہو گیا۔ 1893ء میں اقبال نے میٹرک کا امتحان
پاس کیا اُس کے بعد اسی اسکول سے بارہویں کا امتحان پاس
کیا۔ اور اس کے بعد بی۔ اے کی ڈگری کیلئے گورنمنٹ کالج میں
داخلہ لیا۔ بی۔ اے کرنے کے بعد انہوں نے فلسفے میں
ایم۔ اے۔ کی ڈگری حاصل کی اس دوران اُن کی ملاقات۔
پروفیسر آرنلڈ سے ہوئی اقبال نے کم عمر میں ہی شاعری شروع
کر دی تھی۔ پھر بعد میں باقاعدہ طور پر داغ کی شاگردی اختیار
کی اور پھر جلد ہی اپنے اندر کی شاعری کرنے لگے اور جلسوں میں
شرکت ہو کر نظمیں پڑھنے لگے اور بہت مشہور ہو گئے 1905ء
میں وہ اعلیٰ تعلیم کیلئے انگلستان کو چلے گئے اور 1908ء میں
واپس آئے تو وہ بالکل بدلے ہوئے تھے اُن کی شاعری

مسلمانوں کی ترقی کے لئے وقف تھی اقبال نے گورنمنٹ کالج میں ملازمت اختیار کرلی۔ اس کے بعد انہوں نے وکالت شروع کرلی۔ لیکن وکالت میں بہت زیادہ کامیاب نہیں ہوئے اس کے بعد برطانیہ حکومت نے 1923ء میں ان کو "سر" کا خطاب دیا۔

اقبال نے تین شادیاں کی تھی اور ان کی ازدواجی زندگی زیادہ خوش گوار نہیں تھی اور اسی وجہ سے ان کی مالی حالت ٹھیک نہیں رہی۔ علامہ اقبال اردو زبان کے فلسفی شاعر ہیں۔ انہوں نے اپنے فلسفے سے جو کچھ لکھا وہ مسلمان قوم کے لئے ایک قسم کی دوا تھی۔ اقبال کے کلام میں بہت زیادہ نغمگی اور ترنم ہے۔ اقبال کی شاعری انسانیت کو ایک درس دیتی ہے۔ انہوں نے ہندوستانیوں کے لئے ایسی شاعری کی جس سے عوام کو ایک سہارا ملا۔ اقبال نے زیادہ تر اپنی نظم کے ذریعے شہرت حاصل کی اور بچّوں کے لئے بھی انہوں نے بہت سی نظمیں لکھی اور بہت سی نظموں کا ترجمہ انگریزی سے اردو زبان میں کیا۔ اقبال نے وطن ہندوستان کے لئے بھی ترانے لکھے۔ مثلاً

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

اور انکے چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں

چاند اور تارے

ڈرتے ڈرتے دمِ سحر سے
تارے کہنے لگے قمر سے
نظارے رہے وہی فلک پر
ہم تھک گئے چمک چمک

اقبال کی وفات ۲۱ اپریل 1938ء میں ہوئی۔

37

vivo X60 · ZEISS
26-Mar-2023, 12:43

(غزل) جگر مراد آبادی

کوئی یہ کہہ دے گلشن گلشن
لاکھ بلائیں ایک نشیمن

یہ شعر جگر کی غزل سے لیا گیا ہے۔ اس شعر میں شاعر کہہ رہا ہے کہ بہار کا موسم آنے والا ہے اور ہر جگہ ہر باغ میں پھول بھی کھلنے والے ہیں۔ اس لئے بلبل سے کہہ دو کہ وہ اپنا گھر بنالے کیونکہ جب موسم خراب ہو جائیں گا تو تیز ہوائیں چلے گی۔ اور بھی بہت ساری مصیبتیں اور طوفان ہونگے اس لئے بلبل سے کہہ دو کہ تمہارا نشیمن ایک ہے۔ وہ اتنی ساری بلائیں برداشت نہیں کر سکے گا۔ اور ٹوٹ جائے گا۔ اس لئے ابھی سے پہلے ایک اچھا گھر بنالو۔

قاتل رہبر قاتل رہزن
دل سا دوست نہ دل سا دشمن

یہ شعر جگر کی غزل سے لیا گیا ہے۔ اس شعر میں شاعر کہہ رہا ہے کہ ہمارا جو دل ہے اس سے بڑھ کر ہمارا کوئی بھی دوست نہیں ہو سکتا لیکن جب یہ کسی وجہ سے ٹوٹ جاتا ہے یا دکھی ہو جاتا ہے تو ہمیں بے چین کر دیتا ہے اور خوشی کی موقع پہ اچھے دوست کی طرح خوشی کا احساس دلاتا ہے کبھی کبھی یہ قاتل کرنے والے اس شخص کی طرح ہوتا ہے۔ جو پہلے راستہ بھی دیکھتا ہے پھر راستہ میں سب کچھ لوٹ بھی لیتا ہے اور قاتل بھی کر دیتا ہے

مطلب یہ ہے کہ دل کبھی اچھا دوست ہوتا ہے اور کبھی ہمارا دشمن بھی ہوتا ہے۔

پھول کھلے ہیں گلشن گلشن
لیکن اپنا اپنا دامن

یہ شعر جگر کی غزل سے لیا گیا ہے۔ اس شعر میں شاعر کہہ رہے ہیں کہ بہار کا موسم ہے اور ہر طرف ہریالی ہی ہریالی ہے چاروں طرف جہاں بھی دیکھو رنگ بی رنگ پھول کھلے ہوئے ہیں۔ اور ہر کوئی پھولوں کی تلاش میں لگا ہوا ہے۔ لیکن ہر کسی کا دامن یا وجود برابر نہیں ہوتا جس کا جتنا دامن ہوگا وہ اتنے ہی پھول حاصل کر پائے گا۔

عشق ہے پیارے کھیل نہیں ہے
عشق ہے کار شیشہ و آہن

آہن-لوہا

یہ شعر جگر کی غزل سے لیا گیا ہے۔ اس شعر میں شاعر کہہ رہے ہیں کہ عشق اور محبت کوئی آسان کام نہیں ہے اور عشق کرنا پھر اس کو نبھانا بہت ہی مشکل کام ہے۔ یہ کوئی ~~کھیل~~ بچوں کا کھیل یا تماشا نہیں ہے جو آسانی سے ہو جائے۔ عشق میں اتنی مضبوطی اور احتیاط کرنی پڑتی ہے جیسے کہ کوئی شیشہ کا یا لوہے کا کام ہو۔

زحمت ہوگی طالب عصیاں
رشک کرے گی پاکی ء دامن

یہ شعر جگر کی غزل سے لیا گیا ہے۔ اس شعر میں شاعر کہہ رہے ہیں کہ جو اس دنیا میں گناہ گار لوگ بھی ہیں ان کو بھی خدا کی رحمت سے کچھ نہ کچھ حاصل ہونے کی امید ہوتی ہے کیونکہ چاہے کوئی چاہئے نیک انسان ہو

ہر کسی کو اپنے خدا پر یقین ہوتا ہے اس لئے جو لوگ گناہ کرتے ہیں ان کو پاک دامن لوگوں پر رشک ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے خدا کی کہی ہوئی ہر بات سنتے ہیں۔

کام ادھورا اور آزادی

نام بڑے اور تھوڑے درشن

یہ شعر جگر کی غزل سے لیا گیا ہے۔ اس شعر میں شاعر کہہ رہے ہیں کہ آزادی حاصل کرنے کیلئے سب لوگوں نے بہت شور شرابا کیا اور سب نے یہ کہا کہ ہم آزادی چھین کر رہیں گے لیکن ایسا نہیں ہو سکا اور بہت سی لوگوں کی جانیں بھی چلی گئی۔ یعنی جو مقصد تھا وہ حاصل بھی نہیں ہو سکا اور اُلٹا نقصان ہو گیا۔ یعنی آزادی کی جو جدوجہد تھی اس کا نام تو بہت بڑا ہو گیا لیکن آزادی کے درشن تھوڑے رہے۔

لوح و قلم

فیض احمد فیض

حالاتِ زندگی

آپ کا نام فیض احمد اور فیض تخلص تھا۔ آپ 1911ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے آپ نے انگریزی زبان میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی آپ کو انگریزی زبان کے ساتھ اردو، فارسی اور عربی پر بھی بہت عبور تھا۔ فیض احمد فیض کو صحافت میں بہت دلچسپی تھی اس لئے بہت سے اخبارات اور رسائل میں کام کیا۔ آپ نے کمیونسٹ پارٹی میں بھی بہت کام کیا اس وجہ سے آپ اس پارٹی کا ایک اہم حصہ تھے۔ اس لئے پاکستان کی حکومت آپ کو ہمیشہ شک کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ اور آپ پر باغیانہ سر گرمیوں کی وجہ سے الزام بھی لگا اور مقدمہ بھی چلا۔ یہ مقدمہ راول پنڈی سازش کیس کے نام سے مشہور ہے۔ آپ نے بہت سال تک قید کی زندگی گزاری اور قید میں بہت ساری تکلیفیں دیکھی۔

فیض احمد فیض نے اپنے کالج کے دور میں سے ہی شاعری کرنا شروع کر دیا تھا ان کے کالج میگزین میں [illegible] انکی بہت سی نظمیں شائع ہوئی تھی میگزین والے بہت سی نظمیں ان کے پہلے مجموعہ " نقشِ فریادی " میں شامل ہوئی تھی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہیں کہ فیض احمد فیض کو شروعاتی دور

میں بھی شاعری پر بہت عبور حاصل تھا۔ اس کے بعد جب ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوا تو فیض احمد فیض اس میں شامل ہو گئے اور ان کی شعریت کا ایک نیا مقصد بھی مل گیا۔ اور فیض احمد فیض نے اپنا غم بھلا کر دنیا کے غم کو گلے لگا لیا۔ ان کی مشہور نظم "مجھ سے پہلی سی محبت میری محبوب نہ مانگ" اسی زمانے کی یادگاری اس نظم کا ایک مشہور شعر ہیں کہ

اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

راحتیں: آرام
وصل: ملاقات
تاریخ: اندھیرا

ترقی پسند تحریک خطابیہ شاعری کا مطالبہ کر رہی تھی اس لیے حالات سے مجبور ہو کر فیض احمد فیض نے بھی اسی شاعری کی۔ جس میں شعریت بہت کم نظر آتی ہے۔ جیسے مثال کے طور پر ان کی چند نظمیں یوں ہیں کہ جن میں شعریت زیادہ نہیں ہیں" سیاسی لیڈر کے نام ، ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے ، ایرانی طلباء کے نام اور زرد پتے وغیرہ۔ فیض احمد فیض نے رمز و ایمائیت استعارے یا بیتا پہ میں بھی شاعری کی ان کی مزید چند نظمیں یوں ہیں کہ " صبح آزادی ، تنہائی میرے ہم دم میرے دوست ، رقیب سے وغیرہ وغیرہ۔

غزل میں بھی فیض کی شاعری کی یہی صورت حال تھی۔ انہوں نے غزل کی مشہور علامتیں ضرور استعمال کی لیکن رنگ معنیوں نے وہ غزل میں پہنے ہیں مگر وس

vivo X60 · ZEISS
26-Mar-2023, 12:45